اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (البلد:4)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

محنت میں عظمت:

مقصدِ زندگی کام ہے آرام نہیں۔ آرام کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کو بنایا ہے۔اس دنیا میں دینی اعتبار سے جس بندے نے بھی عزتیں پائیں وہ محنت ہی سے پائیں۔ چونکہ محنت میں عظمت ہے اس لئے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ محنت کو اچھا سمجھیں۔محنت سے جان چھڑانا اور جی چرانا پسندیدہ بات نہیں ہے۔ آرام طلبی اور تن آسانی جیسی چیزیں مؤمن کی زندگی میں نہیں ہوتیں بلکہ اس کی زندگی میں محنت، مشقّت اور مجاہدہ ہوتا ہے۔تو یہ نوٹ کرلیں کہ مقصدِ زندگی ......کام، کام اور بس تھوڑا سا آرام......اور آرام بھی اس لئے کرنا ہے کہ پھر کام کرنا ہے۔ جو کام کرنے والے لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آرام کرنے پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔اسی لئے حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے،

نوم العلماء عبادۃ علماء کی نیند عبادت ہے۔

یعنی جو علماء دین کا کام کرتے ہیں اور پھر وہ پنے جسم کو آرام دیتے ہیں تاکہ پھر کام کرسکیں، اللہ تعالیٰ ان کے اس آرام کے وقت کو بھی کام میں شامل فرما دیتے ہیں۔

ادھار کی چیز کی قدر:

جب بندہ دین کی محنت کرکر کے تھک جائے تو اسے خوش ہونا چاہیے۔جس دن جسم زیادہ تھکے اس دن زیادہ خوش ہو۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اتنی عبادت کرو اتنی عبادت کرو کہ خالق

اور مخلوق دونوں کو تم پر ترس آنے لگ جائے۔ دستور بھی یہی ہے کہ انسان ادھار کی چیز سے تھوڑے وقت میں زیادہ کام نکالتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی عورت کی استری خراب ہو جائے تو وہ اپنی ہمسائی سے منگواتی ہے۔ جب اسے استری ملتی ہے تو وہ اس سے صرف اپنے میاں کے کپڑے استری نہیں کرتی۔ اسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ ادھار کی چیز ہے اور مجھے واپس دینی ہے۔ اس لئے وہ اسی وقت اپنے بھی، بچے کے بھی اور بچی کے بھی کپڑے استری کر لے گی......اسی طرح یہ جسم ہمارے پاس ادھار کا مال ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے وقت کے لئے اس کا کنٹرول ہے۔ اب ہم جتنا چاہیں اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔......جب کوئی آدمی مشین لگاتا ہے تو وہ آٹھ گھنٹے کام کر کے سولہ گھنٹے کام بند نہیں کرتا، بلکہ وہ تین شفٹیں لگاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بندے تو بدلتے رہیں لیکن مشین سے کام ہوتا رہے۔ بالکل اسی طرح اللہ والوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اس ادھار کی مشین سے دن رات عبادت کر کے خوب کام نکالتے ہیں۔

قابلِ رشک ذوقِ عبادت:

ہمارے مشائخ کے دلوں میں عبادت کرنے کا بہت شوق ہوتا تھا۔ ایک بزرگ کی عمر ستر سال تھی۔ وہ ستر سال کی عمر میں روزانہ ستر طواف کیا کرتے تھے......ہم نے زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں پانچ طواف کر لئے ہوں گے، ایک طواف کے سات چکر ہوتے ہیں، اس حساب سے ہم نے ایک وقت میں پینتیس چکر لگا لئے ہوں گے......وہ ستر طواف میں چار سو نوے چکر لگاتے تھے اور ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھتے تھے۔ اس حساب سے ایک سو چالیس نفل بھی بن گئے۔ اب ذرا سوچیں کہ اگر ہم اپنی زندگی میں کبھی پچاس رکعتیں پڑھ لیں تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ آخری رکعت میں سمع اللہ کی جگہ ''اوئی اللہ'' نکل رہا ہوگا......طواف کے چار سو نوے چکروں کے علاوہ ایک سو چالیس نفل پڑھنا ان کا ایک عمل ہے

اور باقی عبادات مثلاً تلاوت اور تسبیحات وغیرہ اس کے علاوہ ہیں۔ گویا کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے مشائخ نے اتنی عبادات کی ہیں کہ انہوں نے (One minute accurated develop) یعنی کہ انہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک منٹ کو بھی صحیح استعمال کیا ہے۔

حضرت جرجانیؒ کا معمول:

ایک دفعہ خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کو ستو پھانکتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا، اکیلے ستو کیوں پھانک رہے ہیں، روٹی ہی پکا لیتے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے روٹی چبانے اور ستو پھانکنے کا حساب لگایا ہے، روٹی چبانے میں اتنا وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ آدمی ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے، اس لئے میں نے گزشتہ چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی ہے اور فقط ستو پھانک کر گزارا کرتا ہوں ...... گویا سلف صالحین اپنی ضروریات کے وقت کو بھی کم کر کے عبادات میں لگایا کرتے تھے۔

شاگرد ہوں تو ایسے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ بھی درس دیتے تھے اور فارغ ہو کر دوسری جگہ بھی درس دیتے تھے۔ ان کو فرصت نہیں ہوتی تھی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں شوق ہوتا تھا کہ میں فلاں کتاب بھی حضرت سے پڑھ لوں۔ جب انہوں نے اپنے شوق کا اظہار کیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وقت کی صورتحال تو آپ کے سامنے ہے بلکہ درس کروانے والے حضرات نے تو مجھے سواری کا انتظام کر کے دیا ہوا ہے، چنانچہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر دوسری جگہ پہنچتا ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا، حضرت! جب آپ گھوڑے پر سفر کر رہے ہوں گے، میں اس دوران آپ کے گھوڑے کے ساتھ دوڑتا ہوا جاؤں گا، آپ گھوڑے پر بیٹھ کر درس دیتے رہنا،

میں اس حالت میں بھی آپ سے درسِ حدیث حاصل کروں گا۔

ایک حدیث سے چالیس مسائل کا جواب:

ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے وہاں رات جاگتے ہوئے گزار دی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، آپ رات کو کیوں نہیں سوئے؟ فرمانے لگے کہ میرے سامنے ایک حدیثِ پاک آگئی تھی کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام نے ایک چھوٹے سے بچے کو جو انس رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا، فرمایا:

یَا اَبَا عُمَیْرُ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ اے ابوعمیر! تیرے پرندے نے کیا کیا۔

اس نے اک پرندہ رکھا ہوا تھا۔ وہ مرگیا تو جب بھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس سے ملتے تو اس کو خوش طبعی سے فرماتے کہ تیرے پرندے نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ یعنی مرگیا اور تجھے چھوڑ گیا...... تو میں ان الفاظ پر غور کرتا رہا اور حدیثِ پاک کے اتنے سے ٹکڑے سے میں نے فقہ کے چالیس مسائل کا جواب نکال لیا ہے۔ جیسے

......چھوٹے بچے کو تصغیر کے صیغے سے بلا سکتے ہیں،

......کنیت سے کیسے پکارا جاتا ہے،

سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ۔

قرب سجدے سے ملتا ہے:

حدیثِ پاک میں آیا ہے: یتقرب الی عبدی بالنوافل میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب

حاصل کرتا ہے۔

اور قرآن مجید کی ایک آیت ہے: وَ اسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:19) اور سجدہ کر اور قرب حاصل کر۔ چونکہ نوافل میں بھی سجدہ ہوتا ہے اس لئے حدیثِ پاک بھی بتلاتی ہے کہ قرب سجدے سے ملتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت بھی بتلاتی ہے کہ قرب سجدے سے ملتا ہے، مگر ہم سجدے کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ہمیں تو نفلوں کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ ہم تو فرضوں کے ساتھ والے نوافل بھی بڑی مشکل سے پڑھتے ہیں باقی نفل کیا پڑھیں گے۔ جب نفل ہی نہیں پڑھتے تو پھر قرب کیا ملے گا۔ نہ تو قرآن مجید کی آیت غلط ہو سکتی ہے اور نہ ہی اللہ کے محبوب ﷺ کا فرمان غلط ہوسکتا ہے۔ دونوں طرف سے ثبوت مل رہا ہے کہ قرب نفلوں سے ملے گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا ذوقِ عبادت:

ایک حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تہجّد کی نماز پڑھی اور اس کے بعد جب فجر کا وقت ہوا تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب مسجد میں تشریف لے جانے لگے تو آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مصلّٰے پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مسجد میں آکر فجر کی نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ فجر کی قرأت لمبی فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نماز پڑھانے کے بعد مسجد میں ہی تشریف فرما ہوئے۔ صحابہ کرام اردگرد بیٹھ گئے، وہ محفل کافی دیر تک منعقد رہی حتیٰ کہ چاشت کا وقت ہو گیا...... یوں سمجھئے کہ آج کل کے مطابق دن کے نو بجے کا وقت ہو گیا...... پھر اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔ جب آپ گھر تشریف

لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اسی حالت میں مصلے پر بیٹھی ذکر کر رہی ہیں۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پوچھا، جویریہ! جب میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا تو اس وقت آپ بیٹھی ذکر کر رہی تھیں، کیا آپ اس وقت سے لے کر اب تک ذکر میں ہی لگی ہوئی ہیں؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے فجر کی نماز ادا کی اور میں اس وقت سے لے کر اللہ کی یاد میں بیٹھی ہوئی ہوں......اس سے معلوم ہوا کہ امہات المومنین کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ گھنٹوں مصلے پر گزارا کرتی تھیں اور یہی عادت امت کی نیک بیبیوں کی رہی ہے۔ ان کے دلوں میں عبادت کا شوق تھا اور انہیں مصلے کے ساتھ محبّت ہوتی تھی۔ یاد رکھیں کہ جو انسان یہ دیکھنا چاہے کہ میرے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت کتنی شدید ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کو مصلے پر بیٹھ کر کتنا سکون ملتا ہے۔ اگر محبّت میں شدت ہوگی تو اسے مصلے پر بیٹھ کر ایسے ہی سکون ملے گا جیسے بچے کو ماں کی گود میں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔

تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر فرمایا، میمونہ رضی اللہ عنہا! میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں اکہ اگر تم ان کو تین مرتبہ صبح وشام پڑھ لوگی تو تمہیں اتنا اجر ملے گا کہ تم نے تہجّد سے لے کر اب تک جتنی عبادت کی ہے اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ جب نبی علیہ السّلام نے یہ فرمایا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا تو بڑی خوش ہوئیں اور عرض کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتا دیجئے۔ چنانچہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضٰى نَفْسِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ

اللہ کی پاکی (اور پاکیزگی) بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف اس کی مخلوق کے برابر، اور اس کی ذات کی رضا کے موافق اور اس کے عرش کے ہم وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی کی مقدار کے برابر۔

نبوت کی سوچ اوراس کی پرواز:

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس دعا میں کتنی گہرائی ہےااس کا اندازہ اسکے مفہوم سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

○......سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ

یعنی میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں اوراللہ تعالیٰ کی تعریفیں کرتی ہوں۔

○......عَدَدَ خَلْقِہٖ

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی اتنی حمد بیان کرتی ہوں جتنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے......سبحان اللہ ......اللہ کے محبوب ﷺ نے یہ کیسا نوبل آئیڈیا پیش فرمادیا ہے۔واقعی اگر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام امت کو یہ تعلیم نہ دیتے تو امتیوں کے دماغ کی پرواز ہی اتنی نہیں تھی کہ وہ ایسی دعائیں اپنی عقل کے بل بوتے پر مانگ سکتے۔یہ تو محسنِ انسانیت کا امت پراحسان ہے کہ انہوں نے ایسی پیاری پیاری تعلیمات دیں کہ ہم تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کما سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کتنی ہے؟......اس وقت پوری دنیا میں بلین انسان ہوں گے، جواب تک گزر چکے ہیں وہ ٹریلین ہوں گےاور جو قیامت تک آئیں گے وہ بھی ٹریلین ہوں گے۔ اتنی مخلوق تو انسانوں پر مشتمل ہے......پھر پوری دنیا میں جانور کتنے ہوں گے......پرندے کتنے ہوں گے ......پھر سمندروں اور دریاؤں میں مچھلیاں اور دوسری آبی مخلوق کتنی ہوگی......کیڑے مکوڑے کتنے ہوں گے......مکھیاں اور مچھر کتنے ہوں گے......اور ذرا نیچے چلے جائیں......پوری دنیا میں جراثیم کتنے ہوں گے......کہتے ہیں کہ اگر زمین سے ایک گرام مٹی اٹھائی جائے تو اس میں کئی ملین جراثیم موجود ہوتے ہیں ......بیکٹیریا کتنے ہوں گے......ہم جو سانس لیتے ہیں، ایک مرتبہ سانس لینے میں کئی ملین بیکٹیریا ہما

رے اندر چلے جاتے ہیں اور اسی طرح باہر بھی نکلتے ہیں۔ اگر سانس کے اندر کئی ملین بیکٹیریا ہیں تو پوری دنیا میں کتنے بیکٹیریا ہوں گے...... پھر ہمارے اپنے جسم کے اندر کتنے بیکٹیریا ہیں...... اللہ اکبر...... اگر ان سب کو ہم شمار کرنا چاہیں تو ہم تو اس کو شمار ہی نہیں کر سکتے...... پھر جن بھی اللہ کی مخلوق ہیں...... فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں...... جنت میں حور و غلمان بھی اللہ کی مخلوق ہیں...... یہ تو ذی روح مخلوقات ہیں ...... اس کے علاوہ درخت بھی مخلوق ہے، اس کے پتے بھی مخلوق ہیں...... زمین کے ذرات بھی اللہ کی مخلوق ہیں...... پانی کے قطرے بھی اللہ کی مخلوق ہیں...... اگر ہم ان سب کو گننا چاہیں تو کیا ہم گن سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا،

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدّثّر: 31) اور اللہ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تو جب اللہ کی اتنی مخلوق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو دیکھو کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کتنی پیاری اور جامع دعا تعلیم فرمائی ہے...... اللہ اکبر کبیرا...... بات تو چھوٹی سی ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی کتنی حمد بیان ہوئی ہے۔

○ وَ رِضٰى نَفْسِهٖ

یعنی اے اللہ! میں تیری اتنی تعریف کرتا ہوں کہ جس تعریف سے آپ خوش ہو جائیں...... اللہ تعالیٰ کتنی تعریف سے خوش ہوتے ہیں؟...... یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ یہ تو ہمارے وہم و گمان سے بھی بڑی بات ہے۔

○ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ

اور اے اللہ! جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے اس وزن کے برابر میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں

......اب اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس کے عرش کا وزن کتنا ہے۔

○ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ

اور اے اللہ! جتنی آپ کے کلمات ہیں، ان کلمات کے بقدر میں آپ کی تعریفیں کرتا ہوں......اب اللہ تعالیٰ کی صفات کتنی ہیں...... آیئے! قرآن پاک میں دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکهف:109)

اے محبوب ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ اگر ساری دنیا کے سمندروں کا پانی سیاہی بنا دیا جاتا اور اس سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں تو ایک وقت آتا کہ یہ سیاہی ختم ہو جاتی مگر تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔

پھر اس سے آگے بڑھ کر بات کہی۔ فرمایا کہ اگر ساری دنیا کے درختوں کی قلمیں بنا دی جاتیں اور ساری دنیا کے سمندروں کا جتنا پانی ہے اتنے سات سمندر اور ہوتے، یہ سب پانی سیاہی بن جاتا اور یہ سب درخت قلمیں بن جاتے، پھر ان قلموں اور سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں تو ایک وقت آتا کہ یہ قلمیں ٹوٹ جاتیں اور یہ سیاہی خشک ہو جاتی مگر تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔ سبحان اللہ، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سوچ کا حسن اور پرواز دیکھئے۔ واقعی یہ نبوت کی سوچ ہے جو اللہ رب العزت کی تعریف اتنے پیارے انداز میں بیان کرتی ہے۔

اب دیکھئے کہ یہ ایک چھوٹی سی دعا ہے جسے ہر بچہ یاد کر سکتا ہے، ہر عورت یاد کر سکتی ہے، جوان بھی اور بوڑھی بھی، حتیٰ کہ نوے سال کی عمر کو پہنچ چکی ہو تو وہ بھی یاد کر سکتی ہے۔ اگر ہمیں علم ہو تو پھر ہم اسے صبح و

شام پڑھ کر اجر کما سکتے ہیں۔ مگر آج کتنے لوگ ہیں جو اس دعا کو روزانہ پڑھتے ہیں۔ یہ سوال اپنے آپ سے پوچھ کر دیکھئے۔ جواب ملے گا کہ اکثریت اس دعا کو پڑھنے میں غفلت کر جاتی ہے۔ یاد رکھیں کہ ہم اپنے فارغ اوقات کو صرف نیکی میں ہی نہ لگائیں بلکہ نیکیاں بھی وہ کریں جنکی وجہ سے ہم تھوڑے وقت میں زیادہ اجر کما سکیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہو سکے۔ آج کتنے لوگ ہیں جو دل میں یہ تمنا رکھتے ہوں کہ ہم تہجّد کے وقت اپنے پروردگار کے دربار میں حاضری لگوائیں۔ یاد رکھئے کہ تہجّد کے وقت میں اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کی حاضری لگواتے ہیں۔ فرشتے تہجّد میں اٹھنے والے لوگوں کے نام لکھتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ رات کے آخری پہر میں اللہ کے چاہنے والوں کے ناموں کی فہرست بنتی ہے اور اللہ رب العزت کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ ہمارے دل میں یہ تمنا ہونی چاہیے کہ کاش میرا نام بھی اللہ رب العزت کے چاہنے والوں کی فہرست میں شامل ہو جائے۔

اب تجھے نیند کہاں آئے......!!!

ذکر کی لائن میں لگ کر اور بالخصوص اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر عبادت کا ذوق اتنا بڑھ جاتا ہے کہ نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ ہم لوگ اپنے شیخ کی صحبت میں کبھی تین دن کے لئے اور کبھی پانچ دن کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اس وقت خانقاہ میں اتنا فیض ہوتا تھا کہ ہمیں نیند ہی نہیں آتی تھی۔ یہ ایک دو دفعہ کی بات نہیں بلکہ ہم نے اسے بیسیوں دفعہ آزمایا، نہ دن میں نیند آتی نہ رات کو حتیٰ کہ چوتھے پانچویں دن بدن تھک جاتا تھا مگر ذکر کی وجہ سے روح کے تو مزے ہوتے تھے۔ جب جسم تھک جاتا تو ہم عشاء کی نماز کے بعد دو نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! آج مجھے سکون کی نیند عطا فرما دے، مگر نیند پھر بھی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! پتہ نہیں کیا معاملہ ہے کہ جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، دن اور رات میں کسی وقت بھی نیند نہیں آتی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسکرا کر فرمانے لگے، ''ہاں، مجھے میرے شیخ نے جگایا تھا اور تجھے میں نے جگایا ہے، اب تجھے نیند کہاں آئے۔''

موت کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام　　نیند بھر کے وہی سویا جو کہ جاگا ہو گا

جو دنیا میں جاگے گا وہ قبر میں میٹھی نیند سوئے گا۔ اسلئے ہمیں اپنے اندر عبادات کرنے کا شوق پیدا کرنا چاہیے۔ علماء اور طلباء بالخصوص اس طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:99) اپنے رب کی عبادت کرو حتیٰ کہ تمہیں موت آجائے۔

رمی جمار کا مسئلہ اور شیطان سے نجات:

جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر نزع کی کیفیت طاری تھی اس وقت انہوں نے ایک شاگرد سے مسئلہ پوچھا کہ رمی جمار راکباً (سوار ہو کر) افضل ہے یا ماشیاً (پیدل) افضل ہے؟...... اس نے کہا، راکباً فرمایا، لا۔ اس نے کہا، ماشیاً۔ آپ نے فرمایا، لا۔ پھر بتایا کہ راکباً کب افضل ہے اور ماشیاً کب افضل ہے۔ ابھی یہی مسئلہ بتا رہے تھے کہ اسی دوران ان کی وفات ہو گئی۔

علماء نے لکھا ہے کہ آخر انہوں نے یہ مسئلہ خود کیوں چھیڑا؟ انہوں نے اس کا جواب بھی لکھا ہے کہ موت کے آخری لمحات میں بندے کے پاس شیطان آتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس وقت شیطان آیا ہو اور امام صاحب نے جیسے ہی شیطان کو دیکھا انہوں نے اسی وقت رمیِ جمار کا مسئلہ چھیڑ دیا ہو اور اسی رمیِ جمار کے مسئلہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے ان کو شیطان سے نجات عطا فرما دی۔

فتویٰ پڑھتے پڑھتے اللہ کو پیارے ہو گئے......!!!

دارالعلوم دیوبند کے ایک مفتی کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ایک فتویٰ ان کے سینے پر پڑا ہوا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے فتویٰ پڑھنا شروع کیا اور پڑھتے پڑھتے وہ فتویٰ ہاتھ سے گر گیا اور اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ہمارے مشائخ نے اپنے اوقات کو اس طرح غنیمت سمجھا اور عبادات میں اپنا وقت گزارا۔

رابعہ بصریہ کا قابلِ رشک معمول:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ایک آدمی دعاؤں کے لئے حاضر ہوا۔ وہ اس وقت ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ اچھا میں بعد میں آؤں گا۔ جب وہ بعد میں آیا تو وہ نفلیں پڑھ رہی تھیں، پھر آیا تو عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں، عصر کے بعد آیا تو وہ ذکر اذکار میں مشغول تھیں، پھر آیا تو مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں، پھر آیا تو وہ اوابین پڑھ رہی تھیں، پھر آیا تو وہ عشاء پڑھ رہی تھیں، جب عشاء کے بعد آیا تو دیکھا کہ لمبی رکعت کی نیت باندھی ہوئی تھی، سلام ہی نہیں پھیر رہی تھیں۔ وہ بیٹھا رہا، بیٹھا رہا، جب بہت تھک گیا تو کہنے لگا، اچھا سو جاتا ہوں اور فجر کے بعد مل لوں گا۔ پھر فجر کے وقت آیا تو وہ فجر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ اشراق پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے لیٹیں تو وہ آدمی پھر آیا۔ کسی نے بتایا کہ انہوں نے ابھی اشراق کے نفل پڑھے ہیں اور ابھی لیٹی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں بس تھوڑی دیر ہی بیٹھا تھا کہ وہ گھبرا کر اٹھیں اور آنکھیں مل کر کہنے لگیں:

اللھم انی اعوذبك من عین لا تشبع من النوم اے اللہ! میں ایسی آنکھوں سے تیری پناہ مانگتی ہوں جو نیند سے سیر نہیں ہوتیں۔

یہ کہہ کر اٹھ بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئیں۔اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی دوپہر کو قیلولہ کی نیت سے سو جاتے تھے اور باقی پورا وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ یہ بات پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھی۔لیکن ذکر کی لائن میں لگنے کے بعد بالآخر سمجھ میں آ گئی کہ ہمارے مشائخ کو ساری ساری زندگی عبادات کی توفیق کیسے مل جاتی تھی۔اللہ تعالیٰ ان کی نیند کے وقت میں برکت دے دیتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کی نیند ان کے جسم کو سکون دے دیتی ہے۔ان کے نزدیک سونا برائے سونا تو ہوتا نہیں۔ نیند کا مقصد تو جسم کو راحت دینا ہوتا ہے کہ جسم تازہ دم ہو جائے اور پھر کام میں لگ جائے۔اسی لئے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے،''اب میرے لئے دن اور رات کا فرق ختم ہو گیا ہے۔''

محنت کی چکی:

یاد رکھیں کہ عبادات کے شوق میں مجاہدے سے نہیں گھبرانا چاہیے بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ یہ جسم دنیا کے لئے تو ہزاروں مرتبہ تھکا، شکر ہے کہ یہ آج اللہ رب العزت کے لئے بھی تھکا ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

''خدا طلبی بلا طلبی؟''

یعنی اللہ کو طلب کرنا اور پھر دل میں طلب بھی نہ ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ ''خدا طلبی بَلا طلبی ہے''

یعنی اللہ کو طلب کرنا بلاؤں کو دعوت دینا ہے۔کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ دل کی بات کہوں کہ اس دنیا میں انسان کو چکی پیسنی پڑتی ہے یا تو وہ دین کے لئے پیس لے یا پھر اللہ دنیا کے لئے پسوائیں گے۔ پیسے بغیر گزارہ نہیں ہوگا۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (البلد:4) بےشک ہم نے انسان کو چکی پیسنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ چکی انبیائے کرام نے بھی پیسی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیسی اور پھر اولیائے امت کو یہ چکی پیسنی پڑی۔ یادرکھنا کہ اگر کوئی دین سے ہٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دفتر میں لگا دیں گے اور وہاں وہ گدھے کی طرح کام کر رہا ہوگا۔ دفتر والے بھی ماشاءاللہ اوورٹائم میں کام کروا رہے ہوں گے اور پھر بھی خوش نہیں ہوں گے۔ سولی پر جان لٹکی ہوئی ہوگی کہ آج تو باس ناراض ہے۔ جی ہاں، جسے خدا کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہوتی اسے اللہ تعالیٰ باس کو راضی کرنے کی فکر ڈال دیتے ہیں۔ جب چکی ہر ایک کو پیسنی ہے تو بہتر ہے کہ دین کی چکی پیسی جائے تاکہ صحیح معنوں میں انسانیت کی معراج نصیب ہو سکے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

حضرت شبلیؒ کے عظیم مجاہدے کی داستان:

ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت دنیا کے بیشتر ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے ہر ہر علاقے کے گورنر مقرر کئے ہوئے تھے۔ اس دوران آمدورفت کا سلسلہ اتنا تیز نہیں تھا۔ مختلف جگہوں سے چھ چھ مہینوں کے بعد اطلاعات آتی تھیں۔ کہیں سے اطلاع ملتی کہ یہاں کے گورنر کا انتظام بہت اچھا ہے اور کہیں سے اطلاع ملتی کہ گورنر صاحب نے لوگوں کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ولید بہت پریشان ہوا کہ اتنا پھیلا ہوا کام ہے، میں کیا کروں۔ ان کا وزیر با تدبیر تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ بادشاہ سلامت! آپ سب گورنروں کو ایک دفعہ بلا لیں اور ان میں سے جو اچھا کام کرنے والے ہیں ان کو انعام دے دیں اور دوسرے بھی سمجھدار ہیں، وہ یہ سب کچھ دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ ہمیں بھی اپنے آپ کو انعام کا مستحق بنانا چاہیے۔ بادشاہ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اس نے سب گورنروں کو اطلاعات

روانہ کردیں کہ تمام گورنر فلاں تاریخ کو میرے دربار میں پہنچ جائیں۔ بادشاہ کے محل کے ساتھ بہت بڑا گراؤنڈ تھا۔اس نے کہا کہ جو مہمان آئیں وہ آ کر یہاں ٹھہرنا شروع کر دیں۔اس زمانے میں بادشاہ کے مسافر خانے نہیں ہوتے تھے جہاں آ کر لوگ ٹھہر سکتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سفر کرنا مشکل ہوتا تھا ......اب جس بندے نے ایک ہزار کلومیٹر سے چلنا ہے اور راستے میں دیہات ہیں، ویرانے ہیں، جنگل ہیں، دریا ہیں تو اسے ایک ہزار کلومیٹر کا سفر طے کرنے میں ایک مہینہ درکار ہوتا ہے۔ایک مہینہ آنے میں لگے گا اور ایک مہینہ جانے میں لگے گا۔دو مہینے کا یہی سفر بن گیا اور وہاں ٹھہرنا بھی ہوتا ہے۔اس طرح ایک ہزار کلومیٹر کا سفر طے کرنے میں تین مہینے لگ جاتے تھے...... جب وہ چلتے تو اپنی فیملی کو بھی ساتھ لے کر چلتے تھے۔جب بیوی بچے بھی ساتھ ہوتے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ خدمت کے لئے بھی لوگ درکار ہوتے تھے۔پھر ان کا تین مہینے کا راشن بھی ساتھ لے کر چلتے تھے......آج کل تو اگر گاڑی میں ڈیزل ڈلوانا پڑے تو بچے کوئی ایسی جگہ دیکھتے ہیں جہاں سے آئس کریم بھی دستیاب ہو سکے...... جب اتنے بندے ہوتے تھے تو ان کی سیکورٹی کے لئے بھی انتظام کیا جاتا تھا۔اس کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ کچھ لوگ جنگل میں اونٹوں سے بھی آگے پیدل چل رہے ہوتے تھے تاکہ اگر کوئی دشمن یا جانور راستے میں چھپا ہوا ہو تو اس کا دفاع کر سکیں۔ان کے پیچھے وہ جانور ہوتے تھے جن پر مال لدا ہوا ہوتا تھا۔پھر اس کے بعد مہمان خصوصی اور اس کی بیگمات اور بچے ہوتے تھے۔ان کے پیچھے پھر مال والے جانور ہوتے تھے، پھر ان کے پیچھے پیدل چلنے والے لوگ ہوتے تھے۔اس طرح سو سو اونٹوں کا قافلہ بن جاتا تھا، اب جہاں سو اونٹوں نے آ کر مہمان بننا ہوتا تھا تو وہاں وہ کمرے تو نہیں بنا سکتے تھے، اوپن فیلڈ میں ہی ایسا ممکن تھا...... چنانچہ انہوں نے کہا کہ جو بھی مہمان آتا جائے وہ اس گراؤنڈ میں اپنے خیمے لگاتا جائے۔

مختلف علاقوں کے گورنر صاحبان پہنچنا شروع ہو گئے۔ ہر علاقے کی لباس پہننے کی عادات مختلف ہوتی ہیں۔ کہیں کوئی رنگ کہیں کوئی رنگ۔ لہٰذا جب وہ مقررہ دن آیا تو پورے علاقے میں خیمے بھی مختلف رنگوں کے لگے ہوئے تھے اور لباس بھی مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں کے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے گلشن سجا ہوا ہو۔

جب سب لوگ آگئے تو بادشاہ نے سب گورنروں کو اپنے دربار میں بلایا۔ جو اچھا کام کرنے والے تھے ان کو انعام دیا اور جو ڈھیلے تھے ان کی آٹو میٹک تنبیہہ بھی ہو گئی کہ انہیں بھی اچھا کام کرنا چاہیے۔ جب محفل برخاست ہو گئی تو بادشاہ نے ہر گورنر کو ایک ایک خلعت (پوشاک) ہدیہ کی۔ جس آدمی کو بادشاہ وہ پوشاک دے دیتا تھا تو اس کو بادشاہ کے دربار میں آنے جانے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ گویا وہ اس وقت کا گرین کارڈ تھا، اسے کوئی دربان روک نہیں سکتا تھا۔ وہ جب چاہتا خلعت پہن کر بادشاہ کے ساتھ پرسنل میٹنگ کر لیتا تھا۔ وہ اس وقت کی بہت بڑی نعمت ہوتی تھی۔

بادشاہ نے پوشاکیں دے کر کہا کہ کل میں آپ کی اس خلعت دینے کی خوشی میں دعوت کروں گا۔ چنانچہ سب گورنر وہ خلعت پہن کر دعوت کے لئے آئے۔ دعوت کھانے کے بعد پھر محفل لگی۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اور حالاتِ حاضرہ پر تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ اس محفل کے دوران ایک گورنر کو چھینک آنا چاہی ......اب نہ تو وہ سائنس کا زمانہ تھا اور نہ ہی ان کو امریکن چھینک آتی تھی۔ امریکی لوگ چھینکنے میں بڑے ماہر ہیں، بے شک آپ غور کر کے دیکھ لیں۔ ان کو محفل میں چھینک آتی ہے مگر پتہ ہی نہیں چلنے دیتے۔ ہمیں آج تک اس کی سمجھ نہیں آئی۔ یہ ایسی چیز ہے جو میں Learn کرنا چاہتا ہوں مگر میں ابھی تک اس کو Learn نہیں کر سکا۔ میں مانتا ہوں کہ واقعی وہ اس میں کمال رکھتے ہیں ......وہ گورنر صاحب جتنا چھینک کو روکتے کہ نہ آئے اتنا چھینک اور آتی وہ بے چارہ اپنے اندر ہی اندر چھینک کے ساتھ

Learn کر رہا تھا۔ بالآخر اس کو دو تین مرتبہ یک دم چھینکیں آئیں......چھینک ہے تو ایک قدرتی سی چیز مگر بندے کو اس سے سبکی سی ہو جاتی ہے اور ہر بندہ اس کی طرف دیکھنے لگتا ہے......اب جب اس کو چھینکیں آئیں تو اس نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اب لوگوں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اللہ کی شان کہ جب چھینک آتی ہے تو کئی مرتبہ ناک میں سے پانی بھی آجاتا ہے۔ اس کی ناک میں سے بھی پانی نکل آیا۔ نہ تو اس کے پاس ہماری طرح کا رومال تھا اور نہ کوئی اور انتظام، جس سے ناک کا پانی صاف کرتا، وہ بڑا پریشان ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سوچا کہ اب تو سب بندوں نے توجہ ہٹالی ہو گی اس وقت اس نے پوشاک کے اوپر والے کپڑے کے ساتھ اپنی ناک صاف کر لی، جب اس نے اس خلعت کے ساتھ اپنی ناک صاف کی تو عین اسی لمحے بادشاہ نے اس کی طرف دیکھ لیا۔ بادشاہ کو بڑا غصہ آیا اور وہ کہنے لگا کہ میری دی ہوئی پوشاک کی اتنی ناقدری کہ اس کے ساتھ تو نے اپنی ناک صاف کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ اس سے پوشاک چھین لو اور بھرے دربار سے اس کو دھکا دے دو۔ کارندوں نے اس سے پوشاک چھین لی اور دربار سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد بادشاہ بھی Serious (سنجیدہ) ہو گیا اور باقی لوگ بھی خاموش ہو گئے۔ وزیر باتدبیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت! محفل برخاست کر دیں۔ چنانچہ بادشاہ نے محفل برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔ سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ اب دربار میں بادشاہ اور اس کا وزیر رہ گئے۔

بادشاہ غصے کی وجہ سے خاموش تھا اور وزیر یہ سوچ رہا تھا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں کہ جس کی وجہ سے بادشاہ کا غصہ بڑھنے کی بجائے کم ہو جائے۔ ابھی وزیر باتدبیر کوئی بات کرنا ہی چاہتا تھا کہ اتنے میں باہر سے دربان نے آکر کہا، بادشاہ سلامت! نہاوند کے علاقے کا گورنر شرفِ باریابی چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا، پیش کرو۔ چنانچہ نہاوند کے علاقے کا گورنر بھی آ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا، کیسے آئے؟ کہنے لگا، بادشاہ

سلامت! میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا چھینک بندے کے اختیار میں ہے یا اختیار میں نہیں ہے۔ اس نے کہا، تم مجھ سے ایسا Silly (بے وقوفی والا) سوال کرتے ہو۔ اس نے کہا، بادشاہ سلامت! میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ اس گورنر صاحب نے جو آپ کی دی ہوئی پوشاک سے اپنی ناک صاف کی، کیا یہ ضروری تھا کہ اس کو بھری محفل میں رسوا کیا جاتا یا اس کو علیحدگی میں بھی تنبیہہ کر کے اس سے خلعت لی جا سکتی تھی؟ کیا اس کی Public insult ضروری تھی؟ یہ سن کر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا، خبردار! تمہارے اس سوال سے محاسبے کی بو آتی ہے، اگر تم نے مزید زبان کھولی تو میں تمہارا بھی وہی حشر کروں گا۔ اس نے کہا، بادشاہ سلامت! آپ کو حشر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے خود ہی بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ کہنے لگا، تمہیں کون سی بات سمجھ میں آ گئی ہے؟ گورنر کہنے لگا کہ آپ نے بھرے دربار میں اسے رسوا بھی کیا اور دھکے دلوا کر باہر بھی نکلوا دیا، مجھے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے انسانیت کی پوشاک پہنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے، اگر میں اس انسانیت کی پوشاک کی Respect (قدر) نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بھرے مجمع میں مجھے ذلیل کر کے باہر نکلوا دیں گے۔ بادشاہ سلامت! میں پہلے اس پوشاک کی قدر کر لوں، مجھے آپ کی دی ہوئی پوشاک کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وہ پوشاک اتاری اور بادشاہ سلامت کی طرف پھینک ماری اور یہ کہہ کر نکل گیا کہ اپنی گورنری اپنے پاس ہی رکھو، میں جا رہا ہوں۔ اس طرح اسی وقت اس کے ہاتھ سے گورنری کا عہدہ نکل گیا۔ باہر نکل کر اس نے ساتھ آنے والے لوگوں سے کہا کہ وہ اس کے گھر والوں کو گھر پہنچا دیں اور ادھر گھر والوں کو بھی پیغام پہنچا دیا کہ میں اب اس مقصدِ زندگی کو سمجھنے کے لئے جا رہا ہوں جس کو میں اب تک بھولا ہوا تھا۔

اس زمانے میں حضرت سراج رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور بزرگ تھے۔ اس نے سوچا کہ میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ سیدھا ان کے پاس چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر حضرت سے کہنے لگا، حضرت! میں انسان

بننا چاہتا ہوں اس لئے مجھے آپ انسانیت سکھا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، ہمارے پاس رہو، تمہیں اپنا گوہرِ مقصود مل جائے گا۔ چونکہ وہ گورنر رہا تھا اور ابھی تک اصلاحِ نفس نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے کاموں میں اور باتوں میں تیزی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ذرا ذرا سی بات پر تیزی دیکھ کر سوچا کہ اس بندے کو سنبھالنا آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے چند دنوں کے بعد فرمایا، بھئی! یہ خلعت تمہیں بغداد سے ملے گی۔ وہاں پر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ایک بزرگ ہیں تم انکے پاس چلے جاؤ۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ اس بندے نے سفر کیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، جی آپ کے پاس ایک نعمت ہے، میں اس کو لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں، اگر آپ چاہیں تو میں اس نعمت کی قیمت ادا کر دوں گا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ہم آپ سے قیمت لیں تو آپ دے نہیں سکتے یعنی اگر محنت کروائیں تو تم محنت نہیں کر سکتے اور اگر بغیر قیمت کے تمہیں دے دیں تو تمہیں اس کی قدر نہیں ہوگی۔ اس نے عرض کیا، حضرت! پھر کیا صورت بنے گی؟ حضرت نے فرمایا کہ یہیں رہو، دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کیا صورت پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہیں رہنا شروع کر دیا۔

کچھ عرصہ رہنے کے بعد ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا، حضرت! میں نہاوند کے علاقے کا گورنر تھا۔ حضرت نے فرمایا، اچھا۔ اب وہ سمجھ گئے کہ اس گورنر کے دماغ میں سے ''میں'' نکالنی پڑے گی کیونکہ یہ گورنر بھی چھوٹے سے خدا بنے ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ بغداد کے بازار میں جا کر گندھک کی دکان بنا لو...... اب کہاں گورنر اور کہاں گندھک کی دکان۔ گندھک کی دکان میں سے عجیب طرح کی Smell (بو) آتی ہے اور اسے خریدنے والے لوگ بھی اتنے پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ ان کی Deelings بھی بہت ہی

Rough قسم کی ہوتی ہیں۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کسی ملک کے صدر سے کہا جائے کہ تم کریانہ کی دکان بنالو ......اس زمانے میں گندھک کا استعمال زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ کپڑے دھونے میں بھی استعمال ہوتی تھی۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے گندھک کی دکان کے بارے میں کہا تو اسے بہت ہی عجیب لگا۔ لیکن چونکہ شیخ نے فرمایا تھا اس لئے کہنے لگے کہ حضرت! ٹھیک ہے میں گندھک کی دکان کھولتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک سال تک گندھک کی دکان چلائی۔ وہ بے چارے گنتے رہے کہ کب دن پورے ہوتے ہیں۔

جب ایک سال پورا ہوا تو کہنے لگے، حضرت! آپ نے فرمایا تھا کہ ایک سال گندھک کی دکان چلاؤ، وہ ایک سال پورا ہو گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا، اچھا، تم دن گنتے رہے ہو، چلو ایک سال اور یہی دکان چلاؤ۔ چنانچہ جب اس دفعہ گئے تو دن گننے چھوڑ دیئے۔

دوسرا سال گزرنے کے بعد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا، بھئی اب تو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، لگتا ہے تم نے دن گننا بھی چھوڑ دیئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے واپس آ کر عرض کیا، حضرت! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت نے انہیں ایک پیالہ پکڑایا اور فرمایا کہ بغداد کے شہر میں جا کر بھیک مانگو اور جو کچھ تمہیں ملے وہ خانقاہ کے فقیروں کو لا کر کھلا دینا، تم نے خود نہیں کھانا۔ خود روزے رکھو اور بھیک مانگو۔......اللہ اکبر......اب ایک علاقے کا گورنر بھیک مانگنے کے لئے کیسے تیار ہوا ہوگا ......وہ شکل وصورت سے تو بڑے پڑھے لکھے اور صحت مند لگتے تھے۔ لہٰذا سوچ میں پڑ گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اگر تمہارے دل میں اس نعمت کی طلب ہے تو جو کام کہہ دیا ہے کرو ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔

انہوں نے پیالہ ہاتھ میں پکڑا اور بازار جا کر صدا لگائی کہ اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔ اب جس سے بھی وہ

بھیک دینے کی درخواست کرتے ،اسے وہ اچھے خاصے صحت مند لگتے تھے۔ چنانچہ وہ کہتا کہ ''شرم نہیں آتی ،اچھے بھلے ہوتے ہیں اور مانگنے آجاتے ہیں ،کام چور کہیں کے،چلومیاں یہاں سے چلے جاؤ''۔ جب ایک ڈانٹ پلاتا تو دوسرے کے پاس چلے جاتے۔وہ بھی ڈانٹ پلا دیتا......شیخ کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ جب یہ مخلوق کی ڈانٹ ڈپٹ سنیں گے تو ان کو اپنی اوقات کا پتہ چلے گا کہ میں کیا ہوں ......وہ جس سے بھی بھیک مانگتے تھے وہی آگے سے کھری کھری سناتا جس کی وجہ سے ان کی خوب رسوائی ہوتی تھی۔اسی طرح انہیں روزانہ دھتکارا جاتا اور کوئی بھی ان کو کچھ نہ دیتا تھا۔کچھ دنوں کے بعد لوگوں کو بھی پہچان ہوگئی کہ یہ پھرتا رہتا ہے۔چنانچہ وہ دور سے دیکھتے ہی اسے کوسنا شروع کر دیتے۔اب ان کے لئے ان لوگوں کے سامنے جانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

ایک سال بھیک مانگنے کی وجہ سے ان کا ''من'' اتنا صاف ہوگیا کہ انہیں مخلوق کے تعلّق سے نجات مل گئی ......اگر شیخ کسی کو تنہائی اختیار کرنے کو کہیں یا کسی کو کہیں کہ تم فلاں شخص سے نہ ملو تو اس سے ان کی نظر میں اصل مقصود انقطاع عن المخلوق ہوتا ہے۔اور یہ قرآنی فیصلہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (المزّمّل:8) اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا سب سے ہٹ کٹ کر۔

ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بلا کر کہا کہ گورنر صاحب! آپ کا نام کیا ہے؟ عرض کیا، ابوبکر شبلی۔فرمایا،اچھا،اب آپ ہماری محفل میں بیٹھا کریں۔گویا تین سال کے مجاہدے کے بعد اپنی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دی۔چونکہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا دل پہلے ہی صاف ہو چکا تھا اس لئے اب حضرت کی ایک ایک بات سے سینے میں نور بھرتا گیا اور آنکھیں بصیرت سے مالا مال ہوتی گئیں۔چند ماہ

کے اندر اندر احوال و کیفیات میں ایسی تبدیلی آئی کہ دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہوگیا۔

بالآخر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بلایا اور فرمایا کہ شبلی! آپ نہاوند کے علاقے کے گورنر رہے ہیں، آپ نے کسی سے زیادتی کی ہوگی اور کسی کا حق دبایا ہوگا، لہٰذا آپ ایک فہرست مرتب کریں کہ آپ نے کس کس کا حق پامال کیا ہے، آپ نے فہرست بنانا شروع کردی۔ ساتھ حضرت کی توجہات بھی تھیں، چنانچہ تین دن میں کئی صفحات پر مشتمل طویل فہرست تیار ہوگئی۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باطن کی نسبت اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتی جب تک کہ معاملات میں صفائی نہ ہو۔ لہٰذا جاؤ ان لوگوں سے حق معاف کروا کے آؤ۔ چنانچہ آپ نہاوند تشریف لے گئے اور ایک ایک آدمی سے معافی مانگی۔ بعض نے تو جلدی معاف کر دیا، بعض نے کہا تم نے ہمیں بہت ذلیل کیا تھا لہٰذا ہم اس وقت تک معاف نہیں دیں گے جب تک تم اتنی دیر دھوپ میں نہ کھڑے رہو۔ بعض نے کہا کہ ہم اس وقت تک معاف نہیں کریں گے جب تک ہمارے مکان کی تعمیر میں مزدور بن کر کام نہ کرو۔ آپ ہر آدمی کی خواہش کے مطابق اس کی شرط پوری کرتے اور ان سے حق بخشواتے رہے حتیٰ کہ دو سال کے بعد واپس بغداد پہنچے۔

اب آپ کو خانقاہ میں آئے ہوئے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ مجاہدے اور ریاضت کی چکی میں پس پس کر نفس مر چکا تھا۔ ''میں'' نکل گئی تھی۔ باطن میں تو ہی تو کے نعرے تھے۔ پس رحمتِ الٰہی نے جوش مارا اور ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں باطنی نسبت سے مالا مال کر دیا۔ بس پھر کیا تھا

......آنکھ کا دیکھنا بدل گیا،

...... پاؤں کا چلنا بدل گیا،

......دل و دماغ کی سوچ بدل گئی،

......غفلت کے تار پود بکھر گئے،

......معرفتِ الٰہی سے سینہ پرنور ہو کر خزینہ بن گیا اور

......آپ عارف باللہ بن گئے۔

واقعی جو بندہ اللہ رب العزت کے لئے مشقتیں برداشت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ایسی رہنمائی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے گوہرِ مقصود کو پالیتا ہے۔اسی لئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں،

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:69) اور جو بندے ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو نئی نئی راہیں سجھاتے رہتے ہیں۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کا قرآنی فیصلہ ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم:39) انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

اس عظیم مجاہدے کی وجہ سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ رب العزت کی طرف سے انعامات کی خوب بارش ہوئی۔ان کے دل میں اللہ رب العزت کی ایسی محبّت پیدا ہوئی کہ جو شخص بھی آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تھا آپ اس کے منہ میں شیرینی ڈال دیتے تھے۔ایک شخص نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جو شخص میرے محبوب کا نام لے میں اس کے منہ کو شیرینی سے نہ بھردوں تو اور کیا کروں ......جی ہاں، جن لوگوں نے اپنے نفس کو ریاضت کی بھٹّی میں ڈال کر کندن بنایا ہوتا ہے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبّت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔

مجاہدہ کسے کہتے ہیں؟

یاد رکھیں کہ دنیا دارالمجاہدہ ہے اور آخرت دارالمشاہدہ ہے......مجاہدہ کسے کہتے ہیں؟......اللہ تعالیٰ کا حکم پورا

کرنے کے لئے اپنے نفس کی مخالفت کرنے، اپنی چاہتوں کو چھوڑنے اور اپنی خواہشات کو قربان کرنے کے لئے بندے کو جو تکلیف اور مشقّت اٹھانی پڑتی ہے اسے مجاہدہ کہتے ہیں۔ اسی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا، **المجاهد من جاهد نفسه فی اطاعة الله** مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے۔

نفس کو پالنے والے:

نفس کو لگام دینا ایک مستقل کام ہے۔ آج کل تو اکثر لوگ نفس کو لگام دینے کی بجائے نفس کو اس طرح پالتے ہیں جیسے لوگ گھوڑے کو پالتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ لوگوں سے اپنی تعریف کروانے سے، اپنی تعریف پر خوش ہونے سے، ان کے سامنے اپنے خواب بیان کرنے سے، اپنے درجات اور کیفیات بتانے سے، من پسند کھانا کھانے سے اور دل میں پیدا ہونے والی ہر چاہت کو پورا کرنے سے نفس موٹا ہوتا ہے۔ جب یہ نفس اڑیل ٹٹو بن جاتا ہے تو پھر بندہ کہتا ہے کہ اب میرا شریعت پر عمل کرنے کو دل نہیں کرتا۔ اصل میں نفس شریعت پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو رہا ہوتا۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے، اے دوست! تو نفس کو پالنے میں مشغول ہے اور نفس تجھے جہنّم میں دھکیلنے میں مشغول ہے۔ تو اسے پالے گا اور یہ تجھے کندھے پر اٹھا کر جہنّم میں دھکا دے دے گا۔

اتباعِ سنت سے نفس مغلوب ہوتا ہے:

اس نفس کو کس طریقے سے قابو کیا جائے؟......

اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر کام سنت سے مطابق کیا جائے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ من گھڑت یعنی اپنے بنائے ہوئے نفلی مجاہدے کرنا نفس کے لئے آسان ہوتا ہے لیکن ہر

کام سنت کے مطابق کرنا اس پر بڑا بھاری ہوتا ہے۔

۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ ایک آدمی اس عاجز کو ملنے آیا۔ وہ سولہ سال سے مسلسل روزے رکھ رہا تھا۔ میرے دوست بڑے حیران ہوئے کہ یہ سولہ سال سے مسلسل روزے رکھ رہا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کام اتنا مشکل نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے کیسے مشکل کام نہیں ہے، سردی، گرمی، صحت، بیماری، سفر، حضر میں ہر وقت روزے سے رہنا بہت مشکل ہے۔ میں نے کہا، اچھا، اس سے پوچھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بندے سے پوچھا کہ کیا آپ کو روزہ رکھنے میں کوئی دقت پیش آتی ہے؟ وہ کہنے لگا نہیں۔ پھر وہ مجھے کہنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ اس کی عادت بن گئی ہے۔ کچھ لوگ دن میں تین دفعہ کھانا کھاتے ہیں اور کچھ لوگ صبح وشام دو دفعہ کھاتے ہیں۔ اسی طرح آپ یوں سمجھیں کہ یہ بھی دن میں دو دفعہ کھاتے ہیں، ایک دفعہ سحری کے وقت اور ایک دفع افطاری کے وقت۔ لہٰذا ان کی یہ عادت بن گئی ہے۔ میں نے کہا کہ ان سے کہیں کہ جی آپ صوم، داؤدی رکھیں۔ یعنی ایک دن روزہ رکھیں اور دوسرے دن ناغہ کریں۔ چنانچہ انہون نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ صومِ داؤدی رکھ سکتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، نہیں میں ایسا نہیں کرسکتا۔ انہوں نے پوچھا، وہ کیوں؟ وہ کہنے لگے، اس لئے کہ یہ تو میری عادت بن گئی ہے اور دن کے وقت اب میرا کچھ کھانے کو دل ہی نہیں کرتا، اگر میں ایک دن کھاؤں اور ایک دن روزہ رکھوں تو اس میں میرے نفس پر زیادہ بوجھ ہوگا، جو کہ میرے لئے بہت مشکل ہے۔ میں نے کہا، دیکھو کہ یہ جو اپنی مرضی سے مجاہدہ کر رہا ہے وہ کام آسان ہے لیکن حدیث میں جو طریقہ آیا ہے اس کے مطابق کام کرنا اس کے لئے بہت مشکل ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنتوں پر عمل کریں۔ کھانے کی، پینے کی، سونے کی، جاگنے کی اور لباس پہننے کی سنتیں اپنائیں۔ ہم نے ''با ادب با نصیب'' کتاب میں احادیث کے ذخیرے میں سے ڈھونڈ

ڈھونڈ کر ان سنتوں کو درج کیا ہے۔اس لئے جو بندہ چاہے کہ میری زندگی بالکل سنت کے مطابق بن جائے وہ ''باادب بانصیب'' کتاب کو پڑھنا شروع کر دے اور اپنی ہر عادت کو اس کے مطابق ڈھالتا چلا جائے۔اس طرح اس کی زندگی بالکل سنت کا نمونہ بن جائے گی۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اسے سنت پر عمل کرنا بے ساختگی کے ساتھ نصیب ہو جاتا ہے۔اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔اس کا ہر کام خود بخود سنت کے مطابق ہوتا چلا جاتا ہے۔ایک شخص جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نو سال تک رہا۔ایک دن وہ کہنے لگا، حضرت! مجھے اجازت دیں میں کسی اور شیخ کے پاس جاتا ہوں۔انہوں نے پوچھا، خیریت تو ہے؟ وہ کہنے لگا، حضرت میں نو سال تک آپ کی خدمت میں رہا اور میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔حضرت نے فرمایا، آپ مجھے یہ بتائیں کہ ان نو سالوں میں مجھے کوئی کام خلافِ سنت کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا، نہیں۔فرمانے لگے، اس سے بڑی اور کیا کرامت ہو سکتی ہے کہ نو سال میں ایک کام بھی نبی علیہ السّلام کی سنت کے خلاف نہیں کیا۔گویا یہ سب کرامتوں سے بڑی کرامت ہے۔

سنت کی محبوبیت:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کی کرامتیں ہم سے چھین لیں اور اتباع سنت ہمیں دے دیں تو خوش نصیبی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اگر ساری دنیا کی کرامتیں دے دیں اور اتباع سنت چھیں لیں تو ساری دنیا کی بدبختی کے سوا کچھ نہیں ہے۔اسی لئے ہماری اکابرین کو اللہ تعالیٰ نے سنت والی زندگی دی۔ان کا اٹھنا بیٹھنا، بول چال، رفتار گفتار، اور سب طور طریقے سنت کے مطابق تھے۔نبی علیہ السّلام ہر ایک کے لئے سراپا رحمت تھے اور ہمارے اکابرین بھی سراپا رحمت تھے۔نبی علیہ السّلام کا دل دوسروں کی تکلیف پر دکھتا تھا اور ان اللہ والوں کا دل بھی دکھتا ہے۔نبی علیہ السّلام اللہ تعالیٰ

کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہتے تھے اور ان اللہ والوں کے دل بھی ہر وقت اللہ رب العزت سے واصل رہتے ہیں۔ نبی علیہ السّلام نے دین کے لئے دن رات ایک کر دیا تھا اللہ والے بھی دین کے لئے ہر وقت اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہوتے ہیں۔

تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام:

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیو بند کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ آپ نے بیان فرمایا۔ بیان کے بعد دعا ہوگئی اور ساتھ ہی نماز کے لئے اذان ہوگئی۔ حضرت با وضو تھے، آپ اسٹیج سے اٹھے تاکہ نماز کے لئے مسجد میں جائیں۔ آگے سلام کرنے والوں کا اتنا مجمع تھا کہ انہوں نے آپ کو گھیر لیا......اب مجمع میں بندہ بعض اوقات ایسا گھر جاتا ہے کہ اسی کو پتہ ہوتا ہے، دوسرے کو پتہ نہیں ہوتا۔ بندہ سوچتا ہے کہ اب میں کروں تو کیا کروں ......اب حضرت چاہتے تھے کہ لوگ ہٹیں اور میں مسجد میں پہنچوں۔ حتیٰ کہ جب مجمع کو ہٹاتے ہوئے بڑی مشکل سے مسجد میں پہنچے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور امام نے ایک رکعت پڑھا لی تھی۔ حضرت نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا، ''آج تیئیس سال کے بعد تکبیرِ اولیٰ قضا ہوگئی۔''

اب اس قضا ہونے میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ جلسہ گاہ کے ساتھ ہی مسجد تھی، وہ وقت سے پہلے نماز کے لئے تیار بھی تھے اور باوضو بھی تھے، جا رہے تھے مگر اللہ کے بندے درمیان میں آ گئے۔ وہ جانے ہی نہیں دے رہے تھے۔

اللہ اکبر!!!......تیئیس تیئیس سال تک تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اصل بات یہ ہے کہ جنہوں نے دنیا میں درجے پائے ہوتے ہیں، انہوں نے مجاہدے کئے ہوتے ہیں۔

حضرت قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کا مجاہدہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کا علمی فیض ایسا پھیلا کہ پورے ملک میں جہاں جائیں ان کے شاگردوں کے مدارس نظر آتے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی خدمت کے باغ لگائے ہوئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عمرے پر گیا تو میں جتنے دن بھی حرم شریف میں رہا، میری ہر نماز تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ، پہلی صف کے اندر اور امام کے بالکل پیچھے ادا ہوتی تھی۔ ہمارے لئے تو یہ ناممکن بات ہے۔ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے وہاں ایک دن بھی کبھی ایسا نہیں گزارا۔ وہاں اتنا مجمع ہوتا ہے کہ ہر نماز پہلی صف میں پڑھنا مشکل ہوتی ہے، اگر آدمی اس کیلئے آگے جانا بھی چاہے تو نہیں جا سکتا۔ پھر ہر نماز پہلی صف میں پڑھنا اور وہ بھی تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ اور پھر امام کے پیچھے پڑھنا کتنا دشوار ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسجد میں ہی رہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ وضو کر کے مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے ہوں گے اور عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آتے ہوں گے......اللہ اکبر...... جب ہمارے بزرگ ایسے ایسے مجاہدے کرتے تھے تو پھر اللہ رب العزت کی طرف سے انعام بھی پاتے تھے۔

خواجہ سراج الدینؒ کا مجاہدہ:

ایک مرتبہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ حج پر تشریف لے گئے۔ آپ عالم تھے، جوانی کی عمر تھی۔ آپ مکہ مکرمہ میں تیرہ دن رہے اور ان تیرہ دنوں میں نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نہ آپ کو پیشاب آتا تھا اور نہ ہی پاخانہ آتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا، حضرت! یہ کیا؟ حضرت فرماتے تھے، ''میں کالا کتا، اس پاک دیس کو کیسے ناپاک کروں۔''

آپ تیرہ دنوں میں حج کر کے وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ یہ ان کی کرامت تھی۔ مگر ایسی کرامت بھی انہی کو ملتی ہے جنہوں نے مجاہدے کئے ہوتے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ ہم ایک دن میں کتنی

مرتبہ بیت الخلاء میں چلے جاتے ہیں۔

مخالفتِ نفس کے مجاہدے:

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ مخالفتِ نفس کے لئے چار مجاہدے ہیں۔

ا......قلتِ طعام (تھوڑا کھانا)

۲......قلتِ منام (تھوڑا سونا)

۳......قلتِ کلام (تھوڑا بولنا)

۴......قلتِ اختلاط مع الانام (لوگوں سے میل جول رکھنا)

دو مجاہدوں میں چھوٹ:

چونکہ ہم کمزور ہیں اس لئے آج کے دور میں دو مجاہدے باقی ہیں اور دو مجاہدوں میں چھوٹ دے دی گئی ہے۔قلتِ طعام اور قلتِ منام میں آسانی دے دی گئی ہے۔

ہماری مشائخ نے فرمایا کہ جتنی بھوک ہو اتنا کھالو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا،حضرت! کتنا کھایا کروں؟ انہوں نے فرمایا، اچھا کھا اور کام اچھی طرح کر۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس بیل کو مالک خوب کھلائے اور وہ بیل کام بھی خوب کرے تو مالک کو خوشی ہوتی ہے اور اس کو کھلانا برا نہیں لگتا۔ ہماری گائیں یہاں دودھ دیتی ہیں تو دل کرتا ہے کہ ان کے منہ میں لقمے ڈالے جائیں۔اسی طرح جو بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے تو اس بندے کا کھانا اللہ تعالیٰ کو بھی برا نہیں لگتا۔ ہاں، جس کا کھائیے اس کے گیت گائیے۔ اللہ کا دیا کھاتے ہیں اور اب اطاعت بھی اسی کی کریں۔

پہلے زمانے کے بزرگ متواتر ایک ایک مہینہ تک پانی کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔اب اتنے مجاہدے

کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ آج کے دور میں قویٰ پہلے ہی ضعیف ہیں۔ جو اس طرح کے مجاہدے کرے گا وہ تو ہڈی بن جائے گا اور بیماریاں اس پر حملہ کر دیں گی جس کی وجہ سے وہ عبادت کرنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔ آج کے دور میں عبادت بھی وہی کر سکتا ہے جس کے جسم میں طاقت ہے۔ اب میں دو دن بھوکا رہوں تو کیا خیال ہے کہ تیسرے دن میری آواز مجمع تک پہنچ جائے گی؟ نہیں، بلکہ آواز بھی نہیں نکلے گی۔ بلکہ آ......آ......آ......کر رہا ہوں گا۔

اللہ والے کہتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق کھاؤ۔ یہ بھی نہیں کہتے کہ دن میں پانچ مرتبہ کھانا کھاؤ اور یہ بھی نہیں کہتے کہ دن میں صرف ایک لقمہ کھاؤ۔ ہاں، اگر محسوس کریں کہ نفس کے اندر سرکشی زیادہ ہے اور دماغ میں ہر وقت نفسانی، شیطانی اور شہوانی خیالات بھرے رہتے ہیں اور طبیعت پر شہوت کا غلبہ رہتا ہے اور زندگی بھی ایسی ہے کہ نکاح کی صورت حال نہیں، تو اب اس کو بھوکا رکھو۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایسی صورت حال میں روزے رکھو۔ پھر دو چار روزوں سے کام نہیں بنتا بلکہ ڈٹ کر روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ ایک دن روزہ رکھیں اور دوسرے دن افطار کریں۔ روزے والے دن تو پکا روزہ ہو اور افطار والے دن بھی اتنا کھائیں کہ نام تو افطار کا ہو لیکن حقیقت میں وہ بھی روزے کی طرح ہو۔

جب نفس کو اس طرح لمبے عرصے تک بھوک دی جاتی ہے تو پھر یہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سب مستیاں پیٹ بھرے کی مستیاں ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فاقے کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ کسی نے کہا، حضرت! فاقہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کی فضیلت بیان کی جائے۔ فرمایا، ہاں یہ فضیلت بتانے والی چیز ہے۔ اگر فرعون کو زندگی میں فاقے آئے ہوتے تو وہ کبھی بھی خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ وہ تو بادشاہ تھا، اسے فاقے کا کیا پتہ۔ انگریزوں میں مشہور ہے کہ کسی ملک کے لوگوں نے مہنگائی اور بھوک کے خلاف ہڑتال کی اور جلوس نکالا۔ بادشاہ اور اس کی ملکہ دونوں نے جلوس دیکھا۔ ملکہ نے

بادشاہ سے پوچھا کہ لوگ نعرے کیوں لگا رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ اس لئے نعرے لگا رہے ہیں کہ روٹی کھانے کو نہیں ملتی۔ وہ کہنے لگی، اچھا، اگر روٹی نہیں ملتی تو ان سے کہیں کہ وہ ڈبل روٹی کھا لیا کریں۔ اس بے چاری کی زندگی محل میں گزری تھی، اسے کیا پتہ کہ بھوک کیا چیز ہوتی ہے۔

عورتوں نے خدائی کا دعویٰ کیوں نہ کیا:

ایک نکتے کی بات سنئے۔ جو بندہ اپنے آپ کو دوسروں سے چھوٹا سمجھے وہ کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ پکی بات ہے کہ خدائی کا دعویٰ وہی کرے گا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانیت میں کبھی بھی کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لئے کہ عورت اپنے آپ کو ہمیشہ مرد کے ماتحت سمجھتی ہے اور مرد کو اپنے آپ پر فوقیت دیتی ہے۔ چونکہ اس کے ذہن میں ہوتا کہ کوئی نہ کوئی مرد میرا بڑا ہے مثلاً یہ میرا باپ ہے، یہ میرا خاوند ہے، یہ میرا بھائی ہے، لہٰذا کبھی کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔

زیادہ کھانے کی قباحت:

احادیث میں کم کھانے کے فضائل اور زیادہ کھانے کی قباحت بیان کی گئی ہے۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ ''تفکّر کرنا نصف عبادت ہے اور کم کھانا پوری عبادت ہے۔'' ایک اور جگہ پر فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ افضل وہ ہے جو بہت تفکّر کرے اور بہت بھوکا رہے اور اللہ کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو بہت کھائے پیئے اور بہت زیادہ سوئے''۔ یہ بھی فرمایا کہ ''جو شخص پیٹ بھر لیتا ہے اسے آسمان کی بلندی کی طرف راستہ نصیب نہیں ہوتا'' بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ زیادہ کھا پی کر اپنے دل کو مردہ نہ بناؤ اس لئے کہ دل کھیت کی مانند ہے اور زیادہ پانی سے بھی کھیت مرجھا جاتا ہے۔......ان احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کم کھانا زیادہ پسندیدہ ہے، مگر اس کے باوجود کچھ لوگ بسیار خوری کے

اتنے عادی ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

بسیار خوری کے واقعات:

(ا)......۱۹۷۴ء میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہنے ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جیل بھرو تحریک چلائی تھی جس کے نتیجے میں حکومت نے مرزائیوں کو کافر قرار دیا تھا۔لوگ خود گرفتاریاں پیش کرتے تھے۔مسجدوں میں بریلوی، دیو بندی، اہلحدیث اور شیعہ حضرات اکٹھے ہو جاتے تھےاور سب علماء ختم نبوت کے عنوان پر تقریریں کرتے تھے۔تقریریں کرنے کے بعد پندرہ بیس نوجوان جو گرفتاریاں پیش کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے وہ گلے میں پھولوں کے ہار ڈال لیتے ،جلوس نکالا جاتا اور وہ نوجوان جلوس کے آگے آگے ہوتے اور خوب نعرے لگتے تھےاور پولیس اسی جلوس کے آگے آگے چل رہی ہوتی تھی۔ جہاں جلوس ختم ہوتا وہاں پولیس ہار پہننے والے لوگوں کو گاڑی میں بٹھا کر جیل لے جاتی تھی اور باقی لوگ گھروں کو چلے جاتے تھے۔ یہ روز کا معمول تھا۔

یہ لوگ اخلاقی مجرم تو تھےنہیں، یہ تو شرفاء تھے۔ان میں جہاں علماء،حفاظ اور قرأ ہوتے تھے۔ وہاں دنیا کے پڑھے لکھے نوجوان بھی ختم نبوت کے جذبے سے سرشار گرفتاریاں پیش کرتے تھے۔یہ بات پولیس بھی جانتی تھی اس لئے وہ ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرتی تھی۔وہ ان کو گاڑیوں میں بٹھا کر لے جاتی اور انکو جیل میں لے جا کر چھوڑ دیتی تھی۔بس فرق اتنا تھا کہ وہ باہر کی بجائے جیل کے گیٹ کےاندر ہوتے تھے۔جیل کے اندر مسجد بنی ہوتی تھی۔وہ مسجد میں نماز بھی پڑھتے اور ادھر ادھر گھومتے پھرتے بھی تھے۔

اسی دوران ہمارے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ میں بھی گرفتاری پیش کروں۔......حضرت صاحبزادہ صاحب بہت ہی دلیر اور جی دار بندے تھے۔اللہ ایسا نیک بیٹا ہر ایک کو دے......ایک دن حضرت نے بھی

گرفتاری پیش کردی۔ پولیس نے ان کو جیل میں پہنچا دیا۔ گرفتاریاں پیش کرنے والے جو نمایاں اور خاص خاص بندے ہوتے تھے ان کو پولیس اسی شہر میں نہیں رکھتی تھی بلکہ انہیں کسی دوسرے شہر میں بھیج دیتی تھی۔ چنانچہ پولیس نے انہیں چکوال جیل میں رکھنے کی بجائے جہلم بھیج دیا۔ اس وقت وہ ضلع کا صدر مقام تھا۔

اللہ تعالیٰ کی شان کہ راولپنڈی سے ایک اور بزرگ حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ بھی گرفتار ہو کر جہلم جیل میں آئے ہوئے تھے۔ وہ شیخ القرآن کے نام سے مشہور تھے۔ جیل سپرٹنڈنٹ نے سوچا کہ مولانا صاحب عالم ہیں اور ان کے ہزاروں شاگرد ہیں اور صاحبزادہ صاحب پیر کے بیٹے ہیں اور ان کے بھی ہزاروں مرید ہیں۔ اسلئے ان دونوں کو ایک ہی کمرے میں رکھنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں حضرات کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا۔

دن میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ ان کی ملاقات کے لئے روزانہ پہنچے ہوتے تھے۔ مزے کی بات یہ کہ جو بھی ملاقات کے لئے آتا تو کوئی مٹھائی کا ڈبہ لاتا، کوئی بسکٹ لاتا اور کوئی کھانے کی کوئی اور چیز لاتا۔ ان دونوں کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ یہاں اتنے لوگ آئے ہوئے ہیں، اگر ہم روزانہ چائے بنالیا کریں اور یہ مٹھائی اور بسکٹ وغیرہ سے ان کو ناشتہ کروا دیا کریں تو روز بروز نکلتا بھی رہے گا اور مہمان نوازی بھی ہوتی رہے گی۔ چنانچہ یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔

حضرت قاسمی صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دن ہم آکر بیٹھے تو بات چیت کی کہ ہم نے کل کے لئے فلاں بندے کو بھی دعوت دی ہے اور فلاں کو بھی۔ چکوال کا ایک آدمی تھا۔ اس کا نام مولا بخش تھا۔ وہ بھی ختم نبوت کے شوق میں جیل آیا ہوا تھا۔ مولانا غلام اللہ خان نے فرمایا کہ میں نے مولا بخش کو بھی دعوت دی ہے۔ حضرت قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں نے سنا کہ مولا بخش کو بھی دعوت دے دی

ہے تو میں بہت ہی پریشان ہوا۔مولانا صاحب نے فرمایا، تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا، کیا آپ نے واقعی مولا بخش کو دعوت دی ہے۔فرمایا کہ ہاں، میں نے اس کو بھی دعوت دے دی ہے۔ میں نے کہا، پھر تو دوسروں کے لئے کھانا کم پڑ جائے گا۔

انہوں نے فرمایا، ہم فجر کی نماز پڑھ کر پہلے مولا بخش کو بلالیں گے اور سب کچھ اس کے سامنے رکھ دیں گے۔ وہ جتنا چاہے گا کھالے گا اور جو بچے گا، اس کے حساب سے اور مہمانوں کو بلالیں گے۔ میں نے کہا کہ ہاں یہ تجویز ٹھیک ہے۔

حضرت قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے حساب لگایا تو میرے پاس دس کلو مٹھائی پڑی تھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر کوئی ایک پاؤ مٹھائی بھی کھائے تو چالیس بندوں کا ناشتہ تیار ہو جائے گا۔ عام طور پر آدھا پاؤ مٹھائی بھی مشکل سے کھائی جاتی ہے۔فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس فوجیوں والے بڑے بڑے مگ تھے جن میں تین کپ چائے آسکتی تھی۔ میں نے پانی کے چالیس مگ ڈالے اور اوپر سے دودھ ڈالا اور چائے بنائی۔ اندازہ تھا کہ ہر آدمی ایک مگ چائے پیئے گا اور ایک پاؤ مٹھائی کھائے گا۔فرماتے ہیں کہ میں نے تہجّد کے بعد انتظام کر دیا تھا اور اس کے بعد نماز پڑھنے چلا گیا۔

نماز فجر کے بعد درسِ قرآن ہوا اور درسِ قرآن کے بعد مولا بخش آگیا۔ہم نے اس کو دستر خوان پر بٹھا دیا۔ کہتے ہیں کہ ہم اس کے سامنے مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ کھول کر دستر خوان پر رکھتے رہے اور فوجیوں والا مگ بھی چائے سے بھر بھر کر دیتے رہے۔ وہ باتیں بھی کرتا رہا اور ادھر سے مٹھائی بھی کھاتا رہا اور چائے بھی پیتا رہا۔حضرت قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ اللہ کے اس بندے نے دس کلو مٹھائی کھائی اور چالیس مگ چائے پی۔

جب اس نے سب کچھ کھا پی لیا تو پھر اس نے ادھر ادھر بھی دیکھا۔ وہ ادھر ادھر اس لئے دیکھ رہا تھا کہ

سب کچھ خیر خیریت سے سمٹ گیا ہے یا نہیں۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ یہاں سب کچھ سمٹ گیا ہے تو وہ مولانا صاحب سے کہنے لگا، اچھا مولانا! اب آپ مجھے اجازت دیجئے، میں اب یہاں سے جاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا، بھئی! آپ بیٹھیں اور ہمارے ساتھ باتیں کریں۔ وہ کہنے لگا، نہیں حضرت! اب آپ اجازت دیں۔ جب اس نے واپسی کا اصرار کیا تو مولانا غلام اللہ خان صاحب سمجھے کہ اب اس کو پیٹ میں مروڑ اٹھ رہا ہے اس لئے اب یہ بھاگنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مولانا صاحب نے اسے کہا، یار! تمہیں کیا جلدی ہے؟ اتنا جلدی کیوں جانا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا،

”مولانا! اصل وجہ یہ ہے کہ میرا ناشتہ چوہدری ظہور الٰہی کی طرف ہے۔“

ایک دفعہ وہ ہمارے حضرت مرشدِ عالمؒ کے سامنے آیا تو حضرت اسے ڈانٹتے ہوئے کہا، ”او مولا بخشا! روٹی تاں نئیں پیا کھاندا، روٹی تاں پئی کھاندی اے۔“ (اے مولا بخش! تُو روٹی نہیں کھا رہا بلکہ روٹی تجھے کھا رہی ہے)

یہ بات بتانے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ لوگ بہت زیادہ کھاتے ہیں حالانکہ اتنی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲)......حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مولانا صاحب تشریف لائے جو ایک وقت میں صرف ایک بکرا اور اس کے ساتھ روٹیوں کے دو تین بنڈل کھایا کرتے تھے۔ جب وہ آئے تو انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا کہ حضرت! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور میرا کھانے کا معمول یہ ہے۔ ان کا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کہیں بھوکا ہی نہ رہوں۔ لیکن اتنا کھانے کے باوجود وہ ایک پکے سالک تھے۔ وہ حافظِ قرآن تھے اور ایک بکرا اور روٹیوں کے دو تین بنڈل کھا کر نوافل کی نیت باندھ لیتے اور پوری رات نوافل میں گزار دیتے تھے۔ وہ واقعی باخدا بندے تھے لیکن ان کی زیادہ کھانے کی عادت بنی ہوئی تھی۔

جب کھانا کھانے کا وقت آیا تو سب مہمانوں کے لئے ایک دیگ سے بھی کم کھانا تھا۔ان مولانا صاحب کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اب میرا کیا بنے گا۔ حضرتؒ نے لنگر والے خادم کو بلا کر فرمایا کہ ان کو بھی دو چپاتیاں اورشوربے میں ایک بوٹی ڈال دینا۔مولانا صاحب حیران وپریشان تھے کہ میرا کیا بنے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ وہ مولانا صاحب دسترخوان پر بیٹھ کر روٹی اورسالن کھاتے رہے، کھاتے رہے حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر گیا لیکن ان سے وہ روٹیاں اور سالن ختم نہ ہوا۔ یہ حضرت کی کرامت تھی۔اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اتنی برکت دی کہ وہ مولانا صاحب کھا کھا کر تھک گئے، ان کا پیٹ بھر گیا لیکن کھانا ختم نہ ہوا۔

برکات کا ظہور:

حدیث پاک میں بھی اس طرح کے واقعات ملتے ہیں

(ا)......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ان کی بیوی کے پاس بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ خندق کھودی جارہی تھی۔ان کے دل میں خیال آیا کہ نبی علیہ السّلام کئی دنوں سے خندق کھود رہے ہیں، پتہ نہیں کہ کھانا بھی ملا ہے یا نہیں۔لہٰذا میں گھر میں کھانا بنا دیتی ہوں، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں اورمیرے گھر میں کھانا کھالیں اور آرام فرمالیں۔ چنانچہ اس نے اپنے خاوند کو بھیجا کہ جائیں اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیں کہ حضرت! آپ خود بھی تشریف لائیں اور اپنے ساتھ دوتین حضرات کو بھی لے آئیں۔ ہمارے پاس تین چار بندوں کا کھانا ہے،ہم چاہتے ہیں آپ تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آکر نبی علیہ السّلام کو دعوت دی۔ دعوت کا پیغام سن کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پوری فوج میں اعلان کروادیا کہ جی آج جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں دعوت ہے اوسب مجاہدین کھانا

کھانے کے لئے ان کے گھر چلیں۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو تیزی سے گھر کی طرف چلے تا کہ میں جا کر بتاؤں کہ یہ مسئلہ بن گیا ہے۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا،

''جابر! ہمارے آنے کا انتظار کرنا، ہنڈیا چولہے پر رہے اور روٹیاں چادر کے اندر چھپی رہیں، میں خود آ کر شروع کرواؤں گا۔''

انہوں نے گھر جا کر بیوی سے کہا کہ اب نو سو آدمی آرہے ہیں، ان کی بیوی بڑی سمجھ دار تھی۔ اس نے کہا، اچھا مجھے ایک بات بتاؤ کہ ان نو سو آدمیوں کو دعوت آپ نے دی ہے یا نبی علیہ السّلام نے دی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے تو صرف نبی علیہ السّلام کو دعوت دی تھی، آگے نبی علیہ السّلام نے اعلان کروایا ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگی، اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔

جب کھانا تیار ہوا تو نبی علیہ السّلام تشریف لے گئے۔ صحابہ کرامؓ بھی پہنچ گئے۔ نبی علیہ السّلام خود تقسیم کرنے بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روٹیاں نکال نکال کر دیتے رہے اور سالن بھر بھر کر دیتے رہے، حتیٰ کہ نو سو آدمیوں نے کھانا کھایا، پیٹ بھر اور پورا لشکر پیٹ بھر کر واپس آ گیا۔ بعد میں جب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو سالن بھی اتنا ہی تھا اور روٹیاں بھی اتنی ہی تھیں۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ

(۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کئی کئی دنوں تک بھوکے رہتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک دن مجھے بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں بھوک کی وجہ سے اتنا تنگ تھا کہ میں نے سوچا کہ نمازِ عشاء پڑھ کر مسجد نبوی میں بیٹھ جاؤں گا اور کوئی اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلا دے گا۔......ان حضرات کی مہمان نوازی کی عادت تھی ......کہنے لگے کہ میں بیٹھا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہوں نے سلام تو کیا لیکن کھانے کی دعوت نہی دی، حالانکہ ان کی عادت ایسی نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا کہ آج ان کے گھر بھی کچھ نہیں ہے ورنہ مجھے دعوت ضرور دیتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے بھی سلام کیا اور چلے گئے۔ میں سمجھ گیا کہ

آج ان کے گھر میں بھی فاقہ ہے۔

ان کے بعد اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر پہچان گئے اور مسکرا کر فرمایا، ابو ہریرہ! آؤ، تجھے کچھ کھلاتے ہیں۔ میں کئی دنوں سے بھوکا تھا لہٰذا میں خوشی خوشی اللہ کے محبوب ﷺ کے ساتھ چلنے لگا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے گھر میں پیغام بھجوایا کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے تو دو۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ کھانے کو تو کچھ نہیں البتہ پینے کے لئے دودھ کا پیالہ پڑا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا، چلو وہی دے دو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنا کہ کھانے کو کچھ نہیں، صرف دودھ کا پیالہ ہے تو مجھے محسوس ہوا کہ ادھر بھی فاقہ ہے، پھر میں نے سوچا کہ چلو دودھ کا پیالہ تو پیتے ہیں۔

اللہ کی شان کہ جب وہ دودھ کا پیالہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھوں میں آیا تو اللہ کے محبوب ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا، ابو ہریرہ! جاؤ، اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔ اصحابِ صفہ ستر آدمی تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اگر میں ان ستر بندوں کو بلاؤں گا تو نبی علیہ السّلام ارشاد فرمائیں گے کہ اب تم ان کو دودھ پلاؤ، اس کا مطلب ہے کہ میرا نمبر آخر پر آئے گا، پتہ نہیں کہ آج میرے لئے بچے گا یا نہیں بچے گا۔ بہر حال میں گیا اور اصحابِ صفہ کو بلا لایا۔

جب ستر اصحابِ صفہ آ گئے تو نبی علیہ السّلام نے مجھے ارشاد فرمایا، ابو ہریرہ! ان سب کو دودھ پلاؤ۔ کہتے ہیں کہ میں نے پیالہ لیا اور ایک صحابی کو پینے کیلئے دے دیا اور دیکھنے لگا کہ کچھ بچتا ہے یا نہیں۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے پیالہ واپس دیدیا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی۔ پھر میں نے دوسرے صحابی کو دیا۔ حتیٰ کہ میں نے ستر بندوں کو دودھ کا وہ پیالہ پلایا لیکن ابھی دودھ موجود تھا۔ اس کے بعد وہ پیالہ میرے ہاتھوں میں آیا تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مجھے فرمانے لگے، ابو ہریرہ! اب تو پی لے۔

چنانچہ میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ جب میرا پیٹ بھر گیا اور میں نے بس کر دی اور نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، ابو ہریرہ! اور پی لے، چنانچہ میں نے اور پیا حتیٰ کہ خوب پیٹ بھر گیا۔اب جب میں نے پیالہ ہٹایا تو اللّٰہ کے محبوب ﷺ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا، ابو ہریرہ! اور پی لے۔ میں نے پھر پیالہ منہ سے لگا لیا اور اتنا پی لیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اب تو یہ باہر آجائے گا۔ میں نے کہا، اے اللّٰہ کے نبی ﷺ! اب میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مسکرائے اور پھر آپ ﷺ نے وہ پیالہ لے کر اس میں سے دودھ نوش فرمایا اور وہ دودھ ختم ہو گیا۔

اب برکات کے ظہور کا ایک اور واقعہ سنا کر اپنی بات مکمّل کرتا ہوں۔

(۳)......ایک مرتبہ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے کھیت سے گندم نکالی گئی۔ وہی گندم پکتی تھی اور خانقاہ کے لوگ کھاتے تھے......الحمدللّٰہ، اللّٰہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں بھی ایسا ہی سلسلہ بنا دیا ہے، ہماری اپنی زمین کی گندم نکلتی ہے اور سارا سال علماء اور طلبا وہی گندم کھاتے ہیں......انہوں نے وہ گندم لا کر مسجد کے صحن میں ڈھیر کر دی۔ اس وقت مٹی کے بھڑولے بنا کر ان میں گندم کو محفوظ کیا جاتا تھا۔ مریدین نے وہ گندم مسجد کے صحن سے اٹھا کر بھڑولے کے اندر ڈالنی شروع کر دی۔ وہ گندم اٹھاتے رہے، اٹھاتے رہے مگر ڈھیر ختم ہونے کو ہی نہیں آرہا تھا۔ وہ جتنی گندم لے جاتے تھے، اتنی پیچھے پڑی ہوتی تھی۔ وہ دیہاتی لوگ تھے۔ان بے چاروں کی گردنیں بوجھ اٹھا اٹھا کر تھک گئیں۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللّٰہ علیہ بڑے عقلمند تھے۔ وہ بھی اصل حقیقت سمجھ گئے۔ چنانچہ وہ حضرت قریشی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر عرض کرنے لگے، حضرت! جو برکت یہاں ظاہر ہو رہی ہے وہ اندر جا کر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ حضرت! نے فرمایا، بھئی! مسئلہ کیا ہے؟ عرض کیا، حضرت گندم اٹھا اٹھا کر گردنیں تھک گئی ہیں، اب تو صرف ٹوٹنی رہ گئیں ہیں، لہٰذا مہربانی فرما کر توجہ فرما

دیں۔حضرت نے فرمایا، چلو، اٹھاتے ہیں۔چنانچہ حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ ساتھ آئے اورسب نے گندم اٹھائی اورحضرت نے بھی تھوڑی سی اٹھائی اور ایک ہی مرتبہ وہ ساری گندم اندر چلی گئی۔اللہ اکبر!!! یہ کیا چیز تھی؟ یہ برکت تھی۔یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی دین کا کام کرے گا وہ کام ہمیشہ برکت سے چلے گا۔برکت نہ ہوتو کام چل ہی نہیں سکتا۔دنیاوالوں کا کام بے برکتی سے چل جاتا ہے لیکن دین والوں کا کام بے برکتی سے نہیں چل سکتا۔اللہ رب العزت کی طرف سے یہ رحمتیں اور برکتیں دین کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں بھی اخلاص کے ساتھ دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اوراس راستے میں پیش آنے والے حالات کو برداشت کرنے کی توفیق وہمت عطا فرمادیں۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ